انسانی اعضاء کی پیوند کاری
اور
انتقالِ خون

جناب محمد خالد سیف ۔ اسلام آباد

یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ انسانی اعضاء کی پیوند کاری اور انتقالِ خون وغیرہ کے بارہ میں کتاب اللہ اور سنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی نص موجود نہیں ہے، اسی طرح تمام تر وسعتوں کے باوجود ہمارے فقہی سرمایہ میں بھی ان مسائل سے متعلق شافی نصوص موجود نہیں ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ زمانہ قدیم میں ان مسائل کا قطعاً کوئی وجود نہ تھا بلکہ یہ وہ مسائل ہیں جو عصرِ حاضر کی سائنس اور ٹیکنالوجی کے رہینِ منت ہیں۔ انسانی زندگی چونکہ ہر دم رواں اور پیہم دواں ہے، ہر زمانہ میں نئے نئے مسائل اور نئے نئے حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی کی موجودہ ترقیوں کے باعث حالات نے جو پلٹا کھایا ہے۔ اس سے انسانی زندگی کا ہر ہر گوشہ متاثر ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ انسانی زندگی میں ابھی اور کیا کیا انقلابات رونما ہونے والے ہیں ؎

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

عصرِ حاضر میں جہاں دیگر مسائل نے جنم لیا، بہت سے فقہی مسائل بھی پیدا ہوئے ہیں، چونکہ ان مسائل سے متعلق کتاب و سنت اور کتبِ فقہ میں صریح احکام موجود نہیں ہیں، اس لیے علمائے امت میں ان جدید مسائل کے سلسلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے انہی جدید مسائل میں سے انسانی

اعضار کی پیوند کاری کا مسئلہ بھی بہت اہم ہے۔ مثل مشہور ہے کہ اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں یعنی ایک نابینا شخص کے لیے اس دنیا میں سب سے بڑی نعمت یہی ہو سکتی ہے کہ اسے دو آنکھیں مل جائیں اور اس کی بینائی بحال ہو جائے۔ آج سے پچاس ساٹھ برس پہلے تو اندھے کو دو آنکھیں ملنا صرف ایک خواب تھا یا ایک ایسی انسانی آرزو اور خواہش تھی جو اندھے کے دل میں تڑپ تو لیتی تھی مگر حقیقت کا روپ نہیں دھار سکتی تھی مگر عصر حاضر کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی نے اب اس خواب کو بھی حقیقت بنا دیا ہے البتہ میڈیکل سائنس نے اس سلسلہ میں جو طریقۂ علاج دریافت کیا ہے، اس میں یہ قباحت ہے کہ قرینہ کی تبدیلی کے لیے انسانی آنکھ کی ضرورت ہوتی ہے، جو انسانی مردہ جسم سے وفات کے بعد تین گھنٹے کے اندر اندر نکال کر محفوظ کر لی گئی ہو۔ دنیا میں نابیناؤں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر یہ مسئلہ اور بھی خصوصی غور و فکر کا متقاضی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق خود پاکستان میں اس وقت تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار مرد اور قریباً پچانوے ہزار خواتین بینائی سے محروم ہیں اور ان میں سے چالیس پچاس ہزار خواتین و حضرات کی بینائی کو مذکورہ طریقہ علاج سے بحال کیا جا سکتا ہے مگر سوال یہ ہے کہ آیا شرعی طور پر ہمیں اس بات کی اجازت ہے کہ انسانی اعضار کی اس طرح پیوندکاری کی جا سکے؟

اسی طرح آج ایک جاں بلب اور موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا انسان کے جسم میں انسانی خون کو داخل کر کے اس کی جان کو بچانا ممکن ہو گیا ہے، گردے اور دیگر اعضار کو بھی ضرورت مند لوگوں میں منتقل کر کے انسانی جان کو بچایا جا رہا ہے جلے سڑے ہوئے لوگوں کے جسم پر دوسروں کی کھال کو جمایا جا رہا ہے بلکہ خود انسانی کھال کو دوبارہ اگایا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک واقعہ نے پوری دنیا میں تہلکہ مچا دیا تھا، ہوا یہ کہ امریکہ میں جیمی سیلبی اور جین سیلبی پانچ اور چھ سال کی عمر کے دو بچے تھے اور دونوں حقیقی بھائی، سوء اتفاق سے گرم کھولتے ہوئے ایک سیال مادے میں گرنے کے باعث ستانوے اور اٹھانوے فی صد تک ان کی کھال جل گئی تو امریکہ کے جنرل ہسپتال میں ڈاکٹر سرجن للکو اور ڈاکٹر سرجن ہارورڈ گرین اور ان کے ہمراہ ڈاکٹروں کی ایک ٹیم نے انہی بچوں کے جسم کی بچی کھچی کھال سے ڈاک کے ٹکٹوں کے بقدر چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاٹ کر کیمیکل مادوں کے

ساتھ ٹیسٹ ٹیوبز میں ان کی افزائش کی اور پھر انہیں بچوں کے جسم پر لگا کر نئی کھال اگا دی۔ نو ماہ کے علاج معالجہ کے بعد ان دونوں بچوں کے جسم پر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جو کھال تھی، وہ ایک جدید، نفیس، ملائم اور بہت ہی عمدہ کھال تھی۔ ڈاکٹروں کے اس محیّر العقول کارنامے کو دیکھنے کے لیے لوگ طوفان کی صورت امڈ آئے تھے۔ تفصیل کے شائقین ملاحظہ فرمائیں، مقالہ "ذرع الجلد الحی"، ماہنامہ "الفیصل"، ریاض، سعودی عرب، شمارہ ۱۱۶ مجریہ اکتوبر ۱۹۸۶ء۔

مگر بحیثیت مسلمان ہمارے سامنے پھر بھی سوال ہے کہ ہماری شریعتِ بیضا میں اس قسم کے علاج معالجوں کی کہاں تک گنجائش ہے؟

بلاشک وشبہ اسلامی شریعت نے مسلمان کی حرمت، عزت، عصمت اور کرامت پر بڑا زور دیا ہے اور کتاب وسنت اور اجماعِ امت سے یہ بات ثابت ہے لہٰذا کسی کے لیے بھی یہ جائز نہیں کہ وہ کسی مسلمان کے مقدس خون سے ہولی کھیلے، یا اس کے جسم کو تختۂ مشق بنائے، یا اس کے جسم کے اعضاء میں سے کسی عضو کو کاٹ دے ہاں البتہ بعض جرائم کے ارتکاب کی سزا کے طور پر تو ایسا کیا جاسکتا ہے یعنی قصاص، حد یا تعزیر کی صورت میں تو ایسا ممکن ہے، اس کے علاوہ ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا ...... وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۔ (سورۃ نساء: ۹۲-۹۳)

اور کسی مومن کو شایان شان نہیں کہ مومن کو مار ڈالے مگر بھول کر اور جو بھول کر بھی مومن کو مار ڈالے تو (ایک تو) ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور (دوسرے) مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے ہاں اگر وہ معاف کر دیں (تو ان کو اختیار ہے)۔۔۔۔ اور جو شخص مسلمان کو قصداً مار ڈالے تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ (جلتا) رہے گا اور اللہ اس پر

غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لیے اس نے بڑا (سخت) عذاب تیار کر رکھا ہے۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ط وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِي الْقَتْلِ ط إِنَّهُ كَانَ مَنْصُورًا۔

بنی اسرائیل: ۳۳

اور جس جان کا اللہ تعالیٰ نے مارنا حرام قرار دیا ہے اسے قتل نہ کرنا مگر جائز طور پر (یعنی بفتوائے شریعت) اور جو شخص ظلم سے قتل کیا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے (کہ ظالم قاتل سے بدلہ لے) تو اس کو چاہیے کہ قتل (کے قصاص) میں زیادتی نہ کرے کہ وہ منصور و فتحیاب ہے۔

نیز فرمایا:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِنَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

المائدۃ: ۳۸

اور جو چوری کرے، مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ ان کے فعلوں کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے اور اللہ زبردست (اور) صاحبِ حکمت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا:

فَإِنَّ دِمَاءَكُمْ وَأَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا فِي شَهْرِكُمْ هٰذَا فِي بَلَدِكُمْ هٰذَا إِلَى يَوْمِ تَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ، أَلَا هَلْ بَلَّغْتُ؟

لوگو قیامت کے دن تک تمہارے خون اور تمہارے اموال تم پر اس طرح حرام ہیں جس طرح یہ دن حرمت والا ہے، یہ مہینہ حرمت والا ہے اور یہ شہر حرمت والا ہے، لوگو! کیا میں نے تم تک احکامِ الٰہی پہنچا دیے؟

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا یَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ یَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّیِّبُ الزَّانِیْ وَ الْمَارِقُ مِنَ الدِّیْنِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ۔

کسی ایسے مسلمان کا خون بہانا حلال نہیں جو اس بات کی شہادت دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں ہاں البتہ تین صورتوں میں حلال ہے ۱۔ قصاص کی صورت میں۔ ۲۔ شادی شدہ بدکار کو حد لگانے کی صورت میں اور ۳۔ اس مرتد کی سزا کی صورت میں جو دین کو خیرباد کہہ کر مسلمانوں کی جماعت کو ترک کر رہا ہو۔

اسی طرح بہت سے نصوص سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح زندگی میں مسلمان محترم ہے، اسی طرح بعد از وفات بھی اس کی حرمت اور تکریم ملحوظ رکھنا از بس ضروری ہے "سنن ابی داؤد" اور دیگر کتب حدیث میں یہ روایت موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهٖ حَيًّا۔

مردہ انسان کی ہڈی توڑنا گویا زندہ انسان کی ہڈی توڑنا ہے۔

اسی طرح حدیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کے اوپر بیٹھنے سے بھی منع فرمادیا تھا۔

کتاب وسنت کے یہ دلائل خونِ مسلم کی عصمت اور موت وحیات ہر دو صورتوں میں وجوبِ تکریم پہ دلالت کناں ہیں البتہ بعض حالات ایسے ہیں جو مستثنیٰ ہیں اور ان میں بوقتِ ضرورت خونِ مسلم بھی مباح ہے، موت وحیات ہر دو صورتوں میں جسم کی چیر پھاڑ بھی مباح ہے اور اعضاء کی قطع و برید بھی جائز ہے اور یہ استثناء اس صورت میں ہے جبکہ حاجت وضرورت کا تقاضا ہو یا کوئی مصلحت پیشِ نظر ہو۔ مصلحت کے بارے میں علماء نے لکھا ہے کہ اس سے مراد جلبِ منفعت یا دفعِ مضرت ہوتی ہے اور پھر قوت وضعف کے اعتبار سے مصلحت

کی تین قسمیں ہیں :

۱:۔ جو ضروریات کے درجہ میں ہو۔

۲:۔ جو حاجات کے درجہ میں ہو اور ۔

۳:۔ جو تحسینات کے درجہ میں ہو ۔

(امام غزالیؒ "المستصفی" میں فرماتے ہیں کہ مصلحت سے)

جلبِ منفعت اور دفعِ مضرت مراد ہے اور جلبِ منفعت و دفعِ مضرت ہی مقاصدِ خلق ہیں اور صلاح و فلاحِ خلق کا راز اسی بات میں مضمر ہے کہ وہ اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو لیکن ہماری مراد اس مصلحت سے ہے جو مقاصدِ شریعت کی حفاظت کرے ۔ یاد رہے مقاصد شریعت پانچ ہیں اور وہ ہیں ۔(۱) دین ۔(۲) جان ۔(۳) عقل ۔(۴) نسل اور ۔(۵) مال کی حفاظت لہٰذا ہر وہ چیز جو ان اصولِ خمسہ میں سے کسی ایک کی حفاظت کا ذریعہ بنے وہ مصلحت ہے اور ہر وہ چیز جس سے ان اصولِ خمسہ میں سے کسی ایک پر زد پڑے ، وہ مفسدت ہے اور پھر یہ بھی یاد رہے کہ ان اصولِ خمسہ کی حفاظت ہمارے بیان کردہ درجاتِ مصلحت میں سے پہلے درجہ ضروریات کے تحت آتی ہے اور یہی وہ مقام ہے جس کے بارے میں کتبِ اصول فقہ میں یہ مسلمہ اصول لکھا ہے کہ :

اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ ۔	ضرورت محظور و ممنوع اشیاء کو بھی جائز کر دیتی ہے ۔

ہم اس اصول کی وضاحت میں ایک مثال پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اگر کفار مسلمان قیدیوں کو ڈھال کے طور پر استعمال کریں یعنی جب ان کا مسلمانوں سے مقابلہ ہو اور وہ مسلمان قیدیوں کو اپنے لشکر کے آگے آگے رکھیں ، اس صورت میں اگر مسلمان کفار پر حملہ سے رک جائیں تو وہ مسلمانوں پر غلبہ و تسلط جما لیں گے اور دار الاسلام پر قبضہ کر کے تمام مسلمانوں کو شہید کر دیں گے اور اگر مسلمان سرگرمِ جہاد رہیں تو بے گناہ اور معصوم مسلمان ان کے حملہ کی زد میں آ کر شہید ہو جائیں گے اور اس بات کی شریعت میں اجازت نہیں کہ کسی معصوم اور بے گناہ مسلمان کے خون کو بہایا جائے ، اگر ہم ان مسلمانوں کے خون کا لحاظ رکھتے ہیں تو کافر مسلمانوں پر فتح حاصل کر کے دیگر مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ان قیدیوں کو بھی شہید کر دیں گے لہٰذا اس صورت میں جائز ہو گا کہ جب ان مسلمان قیدیوں

نے بہر صورت جامِ شہادت نوش کر لینا ہے تو کیوں نہ باقی سب مسلمانوں کے خون کی حفاظت کا اہتمام کر لیا جائے اور یہی بات مقاصدِ شریعت سے اقرب ہے کہ ایک یا چند ایک کے بجائے تمام مسلمانوں کی حفاظت کو مقدم رکھا جائے، اسی مصلحت کو پیشِ نظر رکھنے میں دین، دیار، نفوس، اموال اور عزتوں اور عصمتوں کی حفاظت ہے اور یہ مصلحت ان ضروریات کے قبیل سے ہے، تمام شریعتیں جن کی حفاظت پر متفق ہیں نیز اس صورت میں مصلحتِ خاصہ کے بجائے اسلام اور مسلمانوں کی مصلحتِ عامہ کو ترجیح دی جائے گی۔

اسی طرح بوقتِ ضرورت اہلِ حرب کے شہر پر گولہ باری بھی جائز ہے حالانکہ کفار کے بچوں اور عورتوں وغیرہ کو قتل کرنا منع ہے مگر بوقتِ ضرورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف پر منجنیق سے گولہ باری کرادی تھی۔

اس سلسلہ میں ایک تیسری مثال یہ ہے کہ جب کوئی عورت فوت ہو جائے اور اس کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو اسے باہر نکالنے کے لیے عورت کا پیٹ چاک کرنا جائز ہے اگرچہ اس سے عورت کی بے حرمتی لازم آتی ہے اور ان دلائلِ شرعیہ کی مخالفت بھی جو عورت کی تکریم پر دلالت کناں ہیں لیکن معصوم بچے کی جان بچانے کی ضرورت و مصلحت کے پیشِ نظر عورت کا پیٹ چاک کرنا جائز ہوگا۔

چوتھی مثال یہ ہے کہ حالتِ اضطرار میں جب کھانے پینے کو پاک چیزیں نہ ملیں تو حرام اشیاء مثلاً مردار، خون اور خنزیر وغیرہ کا کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے۔

پانچویں مثال یہ ہے کہ اگر سواروں کی کثرت کے باعث کشتی ڈگمگانے لگے اور وزن کی زیادتی کے باعث کشتی کے ڈوبنے کا خدشہ پیدا ہو جائے اور اگر ان میں سے کسی ایک کو سمندر میں نہ پھینکا جائے اور تمام کے ڈوبنے کا ڈر ہو تو اس صورت میں سب کی جان بچانے کی مصلحت کے پیشِ نظر بذریعہ قرعہ اندازی ایک کو سمندر میں گرا دینا جائز ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اس سلسلہ میں اور بھی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصار کے پیشِ نظر ہم انہی پر اکتفا کرتے ہیں۔

آمدم برسرِ مطلب!

انسانی اعضاء کی پیوندکاری میں اگرچہ بظاہر انسانیت کی ہتک اور توہین ہے اور یہ عمل

تکریم آدمیت کے منافی ہے مگر جو شخص ان مذکورہ بالا اصولوں اور مثالوں کو پیش نظر رکھے گا اور دین و شریعت کی روح کو سامنے رکھے گا، اس کے سامنے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ شریعت نے مصالح کو کس قدر اہمیت دی ہے، شریعت نے مصالح اور مفاسد میں ہمیشہ ایک توازن برقرار رکھا ہے، اگر مصلحت کا پہلو راجح ہو تو شریعت اس کی تائید کرتی ہے اور اگر مفسدت کا پہلو غالب ہو تو شریعت اس کی نفی کر دیتی ہے، اسی روح شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے علماء نے جن اصولوں کا استنباط کیا ہے، ان میں سے ایک جیسا کہ قبل ازیں اشارہ کیا گیا ہے، یہ بھی ہے کہ:

اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ۔	ضرورت محظور و ممنوع چیز کو بھی مباح کر دیتی ہے۔

ایک نابینا انسان کے لیے بینائی کے حصول سے بڑھ کر اور کیا ضرورت ہو سکتی ہے، یا جس انسان کے دونوں گُردے ماؤف ہو گئے ہوں اور وہ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہو تو ایک گُردے کے حصول سے بڑھ کر اس کی کیا ضرورت ہو گی؟ علیٰ ہٰذا القیاس اس قسم کے ضرورت مند اور محتاج مریضوں کے لیے اس اصول کی روشنی میں میری دانست میں اعضاء کی پیوندکاری درست اور جائز قرار پاتی ہے۔

اسی طرح علماء نے روح شریعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے جن اصولوں کا استنباط فرمایا ہے ان میں سے ایک اختیار اھون البلیتین یا اختیار اخف الضررین بھی ہے، اس اصول کا مفہوم یہ ہے کہ جب دو برائیاں پیش آئیں تو بڑی برائی اور خرابی سے بچنے کے لیے کمتر درجہ کی برائی کو اختیار کرنا جائز ہے، تو اس اصول کی روشنی میں علاج کے باوجود اندھے کو بینائی سے یا کسی دوسرے مجبور و مضطر کو کسی دوسرے عضو کے علاج سے محروم رکھنا ایک برائی ہے، دوسری طرف اس علاج کے لیے کسی انسان ہی کے قرنیہ، گردہ یا کسی دوسرے عضو کو استعمال کرنا پڑتا ہے اور یہ بھی ایک برائی ہے مگر یہ برائی چونکہ پہلی کی نسبت کم درجہ کی برائی ہے لہٰذا اس کا ارتکاب کر کے نابیناؤں اور دیگر محتاجوں کے علاج کی اس جدید ترین صورت کو جائز قرار دیا جائے گا۔

تمہید میں ہم نے یہ بیان کیا تھا کہ ہماری شریعت بیضاء اور ہمارے دین اسلام نے انسانیت کی فلاح و بہبود کے لیے جن مقاصدِ کلیہ و ضروریہ کو پیشِ نظر رکھا ہے، ان میں سے ایک انسانی جان کی حفاظت کا اصول بھی ہے۔ اب اکیڈمک اور سائنٹفک طور پر چونکہ یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے کہ اندھے پن کے خطرات و مشکلات کا علاج قرنیہ کی پیوندکاری ہی سے ممکن ہے یا دونوں گردوں کے ماؤف ہونے کی صورت میں انسانی جان کو صرف اسی شکل میں بچایا جا سکتا ہے کہ کسی دوسرے زندہ انسان کا ایک گردہ اخذ کر کے اسے پیوند کر دیا جائے لہٰذا شرعی طور پر قرنیہ، گردہ اور دیگر اعضاء کی پیوندکاری کے ذریعہ علاج جائز قرار پائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی امراض کے ازالہ کے لیے علاج فرمایا اور علل و آلام اور امراض کے ازالہ کے لیے مسلمانوں کو بھی علاج کا حکم دیا۔ اعضاء کی پیوندکاری بھی اس دور میں چونکہ علاج کی ایک صورت ہے لہٰذا یہ جائز ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، حافظ ابن قیمؒ اور بہت سے دیگر اہلِ علم نے یہ لکھا ہے کہ جب کوئی ایسا مشکل مسئلہ درپیش ہو جس کے بارہ میں کتاب و سنت میں نصوص موجود نہ ہوں اور اس کے بارہ میں یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو کہ یہ حلال ہے یا حرام، مامور ہے یا منہی عنہ تو اس کے اسباب، آثار اور نتائج کو دیکھو اگر وہ منافع، مصالح، خیرات اور ثمرات طیبہ پر مبنی ہوں تو وہ حلال ہوگا اور اگر صورت اس کے برعکس ہو تو وہ حرام! اس اصول کی روشنی میں بھی جب ہم اس مسئلہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں مفاسد کی نسبت مصالح، منافع اور ثمرات طیبات کا پہلو غالب نظر آتا ہے لہٰذا اعضاء کی پیوندکاری کے ذریعہ علاج معالجہ جائز ہوگا۔

مانعین کے دلائل اور ان پر تبصرہ:

جیسا کہ ہم نے ابتداء میں ذکر کیا، اس مسئلہ کے بارے میں چونکہ کتاب و سنت میں صریح نصوص موجود نہیں ہیں بلکہ اس کا تعلق اجتہاد سے ہے اور اجتہادی مسائل میں اختلاف آراء ایک قدرتی امر ہے، یہی وجہ ہے کہ اس مسئلہ میں بھی علماء کی دو رائے ہیں: کچھ حضرات جواز کے قائل ہیں اور کچھ عدم جواز کے، جواز کے دلائل آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں، اب ہم ان

حضرات کے دلائل پیش کریں گے جو عدم جواز کے قائل ہیں اور پھر اختصار کے ساتھ ان دلائل کے سلسلہ میں اپنی گزارشات بھی پیش کریں گے۔

ان حضرات کی پہلی دلیل یہ ہے کہ چونکہ قرنیہ کی پیوندکاری کے لیے مردہ آدمی کی آنکھیں نکالنا پڑتی ہیں اور مردہ آدمی کی لاش پر یہ دست درازی تکریم آدمیت کے منافی ہے بلکہ یہ انسانیت کی توہین و تذلیل پر مبنی ہے: تکریم انسانیت کے سلسلہ میں یہ حضرات قرآن مجید کی درج ذیل آیت مبارکہ سے استدلال کرتے ہیں:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ	اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی
وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	اور ان کو جنگل اور دریا میں
وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ	سواری دی اور پاکیزہ روزی
وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ	عطا کی اور اپنی بہت سی
خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ بنی اسرائیل ۷	مخلوقات پر فضیلت دی۔

انہوں نے اپنے اس موقف کی تائید میں آیت مبارکہ:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ	ہم نے انسان کو بہت اچھی
تَقْوِيْمٍ ۝ التین: ۴	صورت میں پیدا کیا ہے۔

اور آیت مبارکہ:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي	وہی تو ہے جس نے سب چیزیں جو زمین
الْاَرْضِ جَمِيْعًا۔ البقرہ: ۲۹	میں ہیں، تمہارے لیے پیدا کیں۔

سے بھی استدلال کیا ہے، نیز ان آیات کے علاوہ درج ذیل دو احادیث بھی پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

فَلَا تَغُلُّوْا وَلَا تَغْدِرُوْا وَلَا	خیانت نہ کرو، غداری نہ کرو اور
تُمَثِّلُوْا۔ صحیح مسلم	مثلہ نہ کرو۔

۲۔ ارشادِ نبوی ہے:

كَسْرُ عَظْمِ الْمَيِّتِ كَكَسْرِهِ حَيًّا ۔ سنن ابی داؤد

میت کی ہڈی توڑنا گویا زندہ انسان کی ہڈی توڑنا ہے۔

ان حضرات کے دیگر دلائل پیش کرنے سے قبل ہم یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ پہلے اس دلیل کا جائزہ لے لیا جائے کہ اس سے ان کا موقف کہاں تک درست ثابت ہوتا ہے۔

بلاشک و شبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت انسان کو دیگر تمام مخلوقات کی نسبت اشرف و افضل، بلند و بالا اور ارفع و اعلیٰ بنایا ہے، اس کے سر کو شرف و کرم اور عز و فضل کے تاج سے سجایا ہے لہٰذا ہر وہ کام ناجائز ہے جو شرفِ انسانیت اور تکریم آدمیت کے منافی ہو لیکن ذرا ٹھہرئیے! یہاں سوال یہ ہے کہ ایک اندھے اور نابینا انسان کی اندھیر دنیا میں کرن کرن اجالا کرنے کی خاطر کسی مردہ آدمی کی آنکھیں اخذ کرنا کیا تکریم انسانیت کے منافی ہے یا یہ عین تکریم انسانیت و توقیر آدمیت ہے؟ دراصل تمام امور میں جو اصول کارفرما ہے وہ ہے انما الاعمال بالنیات، چنانچہ قصد و ارادہ اور نیت سے ایک ہی عمل ایک وقت میں تکریم اور دوسرے وقت میں توہین کا موجب ہو سکتا ہے مثلاً وہ تھپڑ جو تادیب کی غرض سے باپ اپنے بیٹے کو اور تعلیم کی غرض سے استاد اپنے شاگرد کو مارتا ہے، اس میں قطعاً کوئی توہین و تذلیل نہیں مگر یہی تھپڑ جب کوئی دشمن کسی کے رخسار پر رسید کر دے تو یہ سراسر توہین و تذلیل ہے، اسی طرح جب ڈاکٹر کسی مریض کے عضو کو کاٹ دیتا ہے تاکہ اس کے باقی جسم کو مہلک ناسور کے اثرات سے بچا لیا جائے تو یہ قطعاً تکریم انسانیت کے منافی نہیں ہے مگر جب کوئی شخص ازراہ دشمنی کسی کے بازو، ٹانگ یا کسی دوسرے عضو کو کاٹ دے تو یہ فعل بلاشبہ تکریم و توقیر آدمیت کے منافی بھی ہے اور موجب قصاص و دیت بھی! اسی طرح مردہ آدمی کی لاش میں قطع و برید اگر دشمنی کی بنا پر ہو اور آتشِ انتقام سرد کرنے کے لیے ہو تو یہ بے شک مُثلہ ہوگا اور تکریم انسانیت کے منافی! لیکن اگر یہی عمل عداوت و دشمنی کے بجائے احترام کے احساس کے ساتھ دوسرے ضرورت مند بلکہ مجبور و مضطر بھائی کے فائدے کے لیے ہو تو یہ نہ تو تکریم و تعظیم انسانیت کے خلاف ہے اور نہ حرام و ناجائز، اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کئی دیگر صورتوں میں بھی

فقہاء کرام نے انسانی لاش کی قطع و برید اور چیر پھاڑ کی اجازت دی ہے، جب کہ زندہ انسان کو فائدہ پہنچانا مقصود ہو مثلاً :

۱ :۔ قبل ازیں ہم یہ اشارہ کر آئے ہیں کہ جب مردہ عورت کے پیٹ میں زندہ بچہ ہو تو اسے نکالنے کے لیے عورت کا پیٹ چاک کرنا جائز ہے ۔

۲ :۔ زندہ ماں کے پیٹ میں مردہ بچہ ہو اور ٹکڑے ٹکڑے کیے بغیر اسے باہر نکالنا ممکن نہ ہو تو ایسا کرنا جائز ہے ۔

۳ :۔ ایسے کنوئیں میں آدمی کی لاش ہو جس کے پانی کی زندہ لوگوں کو ضرورت ہو اور لاش کا سالم نکالنا ممکن نہ ہو تو اسے قطع و برید کر کے نکالنا جائز ہے ۔

۴ :۔ میت کے پیٹ میں کوئی قیمتی پتھر یا سونا وغیرہ ہو تو اسے نکالنے کے لیے میّت کا پیٹ چاک کرنا جائز ہے حتیٰ کہ حافظ ابن حزم نے بھی "المحلّٰی" میں لکھا ہے کہ :

وَمَنْ بَلَعَ دِرْهَمًا اَوْ دِيْنَارًا اَوْ لُؤْلُؤَةً شُقَّ بَطْنُهُ عَنْهَا ۔	جو شخص درہم، دینار یا کسی موتی کو نگل لے تو اسے نکالنے کے لیے پیٹ چاک کیا جائے گا ۔

۵ :۔ بھوکے، مضطر، لاچار اور بے قرار کو جب کھانے کے لیے اور کوئی چیز نہ ملے تو وہ مردہ آدمی کا گوشت کاٹ کر اس قدر کھا سکتا ہے کہ اس کی جان بچ جائے ۔

۶ :۔ غیر طبعی موت کی صورت میں بوقتِ ضرورت پوسٹ مارٹم کرنا بھی جائز ۔

یہ اور اس طرح کی دیگر کئی صورتیں ہیں، جن میں علماء و فقہاء نے قطع و برید اور چیر پھاڑ کی اجازت دی ہے ۔ بہر آئینہ فقہاء کی ان تصریحات اور پیش کردہ مثالوں سے معلوم ہوا کہ احترام انسانیت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے مردہ آدمی کی لاش میں قطع و برید جائز ہے جب کہ اس سے زندہ انسانوں کی حاجت و ضرورت کا تعلق ہو اور یہاں بات صرف حاجت و ضرورت پر ختم نہیں ہوتی بلکہ یہاں تو جلب منفعت اور دفع مضرت کا بھی سوال ہے اور زندہ رہنے کے لیے زندگی کے ناگزیر سامان سے آراستہ ہونے کا معاملہ ہے ۔

دوسری دلیل

انسانی اعضاء کی پیوند کاری کو جائز نہ سمجھنے والے حضرات کی دوسری دلیل یہ حدیث ہے:

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ
رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ
مَنْ تَرَدّٰی مِنْ جَبَلٍ فَقَتَلَ
نَفْسَهٗ فَهُوَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ
یَتَرَدّٰی خَالِدًا مُخَلَّدًا
اَبَدًا فِیْهَا، وَمَنْ تَحَسّٰی
سَمًّا فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَسُمُّهٗ
فِیْ یَدِهٖ یَتَحَسَّاهُ فِیْ
نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا مُخَلَّدًا
فِیْهَا، وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ
بِحَدِیْدَةٍ فَحَدِیْدَتُهٗ فِیْ
یَدِهٖ یَتَوَجَّاهُ بِهَا فِیْ
بَطْنِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خَالِدًا
مُخَلَّدًا فِیْهَا اَبَدًا۔ صحیح البخاری

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص پہاڑ سے گرا کر اپنے آپکو قتل کرے وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ اسی طرح گرتا رہے گا، جس نے زہر کا گھونٹ پی کر اپنے آپکو قتل کیا وہ زہر اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اسے جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ پیتا رہے گا اور جس نے کسی تیز دھار ہتھیار سے اپنے آپ کو قتل کیا جہنم کے اندر وہ ہتھیار اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اندر وہ اسے جہنم کی آگ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے پیٹ میں گھونپتا رہے گا۔

اس حدیث سے استدلال اس طرح کیا گیا ہے کہ خودکشی اس لیے حرام ہے کہ انسان خود اپنے جسم کا مالک نہیں ہے اور جب وہ اپنے جسم کا مالک نہیں تو وہ جسم یا جسم کے کسی حصّہ یا عضو کے بارے میں کوئی وصیت کر سکتا ہے اور نہ عطیہ کے طور پر اسے کسی کو دے سکتا ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ تو معلوم ہوتا ہے کہ کہ خودکشی حرام اور کبیرہ گناہ ہے مگر اس حدیث میں خودکشی کی حرمت کا یہ سبب قطعاً مذکور نہیں ہے کہ انسان چونکہ اپنے جسم کا مالک نہیں ہے لہٰذا خودکشی حرام ہے بلکہ خودکشی کی حرمت کے دیگر اسباب ہیں مثلاً خودکشی سے اس نعمتِ کبریٰ کا کفران لازم آتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے زندگی کی صورت

انسان کو عطا فرمائی ہے، خودکشی اعزہ و اقارب کے لیے بے پناہ صدمے کا باعث بنتی ہے نیز اس سے ان رشتہ داروں کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، جن کا خودکشی کرنے والوں سے تعلق ہوتا ہے۔

یوں تو کائنات کی ہر ہر چیز کا اصلی حقیقی اور دائمی مالک اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی ہے مگر جس طرح اس نے انسان کو مال و دولت اور دیگر مادی نعمتیں اور نوازشیں عطا فرماکر، انہیں انسان کی ملکیت میں دے کر انسان کو ان کا مالک قرار دیا ہے، اسی طرح جان جیسی قیمتی چیز عطا فرماکر، جسم کا خوبصورت ڈھانچہ تشکیل فرماکر اور اس خوبصورت ہیکل کو مختلف اعضاء سے سجاکر ان سب کی ملکیت کو بھی اس نے حضرت انسان ہی کی طرف منسوب کیا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں جس طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کو مال عطا فرماکر اس کی ملکیت کی اضافت انسان کی طرف کی ہے، اسی طرح قرآن مجید میں ستر سے زیادہ مقامات پر نفسوں، جسموں، جانوں، چہروں، ہاتھوں، پاؤں، آنکھوں، کانوں، سینوں، گردنوں پشتوں، اُنگلیوں، ایڑھیوں اور سروں وغیرہ کی نسبت بھی انسانوں ہی کی طرف کی گئی ہے، تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح مالی امور میں انسان کو جائز تصرف کا اختیار دیا گیا ہے، اسی طرح جسم و جان سے متعلق جائز تصرف کا بھی اسے اختیار دیا گیا ہے لہٰذا اس حدیث سے یہ استدلال درست نہیں ہے بلکہ درست بات یہ ہے کہ جس طرح انسان اپنے مال کے بارہ میں وصیت کرسکتا ہے، اسی طرح وہ اپنے جسم یا اعضاء کے بارہ میں بھی وصیت کرسکتا ہے، چنانچہ صحیح بخاری و صحیح مسلم کی ایک حدیث سے بھی جسم و جان کے بارے میں وصیت کے جواز کا اشارہ ملتا ہے۔ حدیث یہ ہے:

عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّہٗ ذَکَرَ رَجُلًا فِیْمَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ اَعْطَاہُ اللّٰہُ مَالًا وَّ وَلَدًا فَلَمَّا حَضَرَتِ	حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گذشتہ لوگوں میں سے ایک شخص کا ذکر کیا جسے اللہ تعالیٰ نے مال و اولاد کی نعمتوں سے سرفراز فرمارکھا

الْوَفَاةُ قَالَ لِبَنِيْهِ اَيَّ
اَبٍ كُنْتُ لَكُمْ قَالُوْا خَيْرَ اَبٍ
قَالَ فَاِنَّهُ لَمْ يَبْتَئِرْ عِنْدَ
اللّٰهِ خَيْرًا وَاِنْ يَّقْدِرِ اللّٰهُ
عَلَيْهِ يُعَذِّبْهُ فَانْظُرُوْا اِذَا
مِتُّ فَاحْرِقُوْنِيْ حَتّٰى اِذَا
صِرْتُ فَحْمًا فَاسْحَقُوْنِيْ
فَاِذَا كَانَ يَوْمُ رِيْحٍ عَاصِفٍ
فَاَذْرُوْنِيْ فِيْهَا فَقَالَ النَّبِيُّ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخَذَ
مَوَاثِيْقَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ وَرَبِّيْ
فَفَعَلُوْا فَقَالَ اللّٰهُ كُنْ فَاِذَا
رَجُلٌ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَيْ
عَبْدِيْ مَا حَمَلَكَ عَلٰى مَا
فَعَلْتَ قَالَ مَخَافَتُكَ
فَمَا تَلَافَاهُ اَنْ رَحِمَهُ
وَفِيْ رِوَايَةٍ فَغَفَرَ لَهُ ۔

تھا جب اس کی وفات کا وقت آیا
تو اس نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میں
تمہارا کیا باپ تھا؟ سب نے کہا آپ
ہمارے اچھے باپ تھے پھر اس نے کہا
کہ میں اللہ کے پاس نیکیوں کا کوئی ذخیرہ
نہیں کر سکا لہٰذا مجھے ڈر ہے کہ اللہ مجھے
عذاب دے گا لہٰذا میں جب فوت
ہو جاؤں تو میری لاش کو جلا دینا،
حتیٰ کہ لاش جل کر جب کوئلہ ہو جائے
تو اسے پیس کر راکھ بنا لینا اور جس
دن تند و تیز آندھی ہو تو اس
دن راکھ کو آندھی میں اڑا دینا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے
فرمایا کہ اس شخص نے اپنے
بیٹوں سے پختہ عہد و پیمان لیا اور اس
کے بیٹوں نے وفات کے بعد اپنے
باپ کی لاش کے ساتھ اسی طرح کیا

مگر اللہ تعالیٰ نے لفظ کن فرمایا اور وہ ایک آدمی کی شکل میں کھڑا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا اے میرے بندے بتا تو نے ایسا کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا "آپ کے خوف کی وجہ سے" پس اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرمایا اور ایک روایت میں ہے کہ اسے معاف فرما دیا اور بخش دیا"

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنے جسم کے بارے میں وصیت کر سکتا ہے، ایسی وصیت اگر ممنوع ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی اس مقام پر وضاحت

فرما دیتے کہ اس شخص کے لیے ایسی وصیت جائز نہ تھی اور نہ اسے اس کا کوئی اختیار تھا مگر اس سلسلہ میں آپ نے جب کچھ نہیں فرمایا تو آپ کا یہ سکوت وصیت کے جواز کی دلیل بن سکتا ہے۔

تیسری دلیل:

قرنیہ اور دیگر اعضاء انسانی کی پیوند کاری کو جو لوگ حرام قرار دیتے ہیں، ان کی تیسری دلیل یہ ہے کہ مردہ جسم چونکہ ناپاک ہے لہٰذا اس سے عضو اخذ کرکے زندہ انسان کو لگا دینے کی صورت میں پاک و ناپاک میں اختلاط واقع ہوتا ہے لہٰذا اس طرح جب جسم میں کسی حرام اور ناپاک چیز کا پیوند لگا ہو تو نماز، روزہ اور دیگر عبادات قبول نہ ہوں گی کیونکہ ان عبادات کی صحت کے لیے پورے جسم کا پاک ہونا لازمی ہے۔

پہلی دو دلیلوں کی طرح اس تیسری میں بھی ہمیں کوئی وزن محسوس نہیں ہوتا اس صورت میں مردہ اور زندہ اور پاک اور ناپاک میں اختلاط ہوتا ہی نہیں کیونکہ انسان جب فوت ہوتا ہے تو اس کے تمام اعضاء ایک ساتھ فوراً نہیں مر جاتے بلکہ بعض اعضاء پہلے مرتے ہیں اور بعض کچھ دیر بعد میں مرتے ہیں۔ بعض اعضاء سے زندگی، مرتے ہی فوراً ختم ہو جاتی ہے اور بعض سے تین سے چھ گھنٹے بعد ختم ہوتی ہے۔ آنکھوں میں کم از کم تین گھنٹے تک زندگی رہتی ہے اور اسی اثناء میں آنکھیں نکال کر محفوظ کر لی جاتی ہیں، وہی زندہ آدمی کو پیوند کی جاتی، اس کا جزء بنتی اور اسے فائدہ پہنچاتی ہیں اور وہ آنکھیں جو بالکل مر جاتی ہیں، وہ نہ زندہ جسم میں پیوند کی جا سکتی ہیں اور نہ ان سے کوئی فائدہ پہنچتا ہے بلکہ ان سے ضرر اور نقصان پہنچتا ہے۔

یہ دلیل اس وجہ سے بھی کمزور ہے کہ انسانی اجزاء سے جو فائدہ اٹھانا ناجائز ہے تو فقہاء کی صراحت کے مطابق وہ ان کی نجاست کی وجہ سے نہیں بلکہ کرامت کی وجہ سے ہے؛

چنانچہ "ہدایہ" میں ہے:

حُرْمَةُ الْاِنْتِفَاعِ بِاَجْزَاءِ الْاٰدَمِيِّ لِكَرَامَتِهٖ۔ — آدمی کے اجزاء سے فائدہ اٹھانے کی حرمت، کرامت کی وجہ سے ہے۔

اسی طرح "فتاویٰ عالمگیری" میں بھی ہے:

اَلْاِنْتِفَاعُ بِاَجْزَاءِ الْاٰدَمِيِّ — آدمی کے اجزاء سے فائدہ اٹھانا

لَمْ یَجُزْ قِیْلَ لِلنَّجَاسَةِ وَ قِیْلَ لِلْکَرَامَةِ وَهُوَ الصَّحِیْحُ ۔

جائز نہیں ۔ایک قول کے مطابق اس کا سبب نجاست اور دوسرے قول کے مطابق اس کا سبب کرامت ہے اور یہ دوسرا قول ہی صحیح ہے ۔

عصرِ حاضر کے علماء کرام کی تائید وحمایت

جیسا کہ ہم نے ابتداء میں عرض کیا، اس مسئلہ سے متعلق کتاب وسنت اور کتبِ فقہ میں صریح نصوص موجود نہیں ہیں بلکہ کتاب وسنت سے ماخوذ عام اصولوں کی روشنی میں علماء کرام نے اس مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش فرمائی ہے، کچھ حضرات اس کے جواز کے قائل ہیں اور کچھ عدمِ جواز کے ، فریقین کے دلائل کے تجزیہ کے بعد ہمارا رجحان جواز کی طرف ہے ،عصرِ حاضر کے جن جیّد علماء کرام وفقہاء عظام نے جواز کا فتویٰ دیا ہے، اب ہم اختصار کے ساتھ ان کا ذکر کریں گے ؛

۱ ۔ مولانا محمد طاسین صاحب ناظم المجلس العلمی کراچی نے "قرنیہ کی پیوندکاری کا مسئلہ" کے زیرِ عنوان کھل کر اپنے خیالات کا اظہار فرمایا ہے اور بوقت ضرورت اسے جائز قرار دیا ہے' ہم نے آپ کے اس مقالہ سے استفادہ کیا ہے ۔

اسلامی نظریاتی کونسل کی رائے ؛

اسلامی نظریاتی کونسل ملک کا ایک نہایت وقیع ادارہ ہے ،جس میں قدیم وجدید علوم کے ماہرین سر جوڑ کر بیٹھتے اور مسائل کا کتاب وسنت کی روشنی میں حل ڈھونڈتے ہیں ۔ کونسل میں کافی عرصہ تک یہ مسئلہ زیرِ غور رہا ، کونسل کی رائے میں اس مسئلہ کے تین پہلو ہیں :

۱ ۔کسی شخص کا اپنے کسی عضوِ جسم کا عطیہ دینا ۔

۲ ۔ اس عضو کا نکالنا ۔

۳ ۔اس عضو کی دوسرے زندہ انسان کے جسم میں پیوندکاری ۔

نمبر ۱ کی پھر دو صورتیں ہیں :

(ا) کسی زندہ شخص کا اپنی زندگی میں کسی عضو کا عطیہ دینا ۔

(ب) کسی زندہ شخص کا اپنی زندگی میں یہ وصیت کرنا کہ اس کے مرنے کے بعد فلاں عضو اس کے جسم سے نکال کر کسی دوسرے ضرورت مند شخص کو لگا دیا جائے ۔

جہاں تک (الف) میں مذکور صورت کا تعلق ہے کونسل کے نزدیک کسی زندہ شخص کے جسم سے کوئی عضو اس کی اجازت کے باوجود مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر قطع کرنا اور پیوند کرنا حرام ہے :

۱ ۔ یہ نظامِ قدرت میں دخل اندازی کے مترادف ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام اعضاء اور صلاحیتوں کے ساتھ ایک اکائی کے طور پر پیدا کیا ہے ۔ اس اکائی میں سے کوئی جزء الگ کر لیا جائے تو یہ اکائی مکمل حالت میں باقی نہیں رہتی بلکہ ناقص ہو جاتی ہے ۔

۲ ۔ شریعت کی رو سے انسانی جسم انسان کی ملکیت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ودیعت ہے اور انسان کو اس ودیعت میں قطع و برید کا حق حاصل نہیں ہے اور اسی بنا پر کوئی مسلمان فقیہ اس عطیہ کو جائز نہیں سمجھتا ۔

۳ ۔ زندہ انسانی جسم سے کسی عضو کے قطع کرنے سے اس جسم کی صلاحیتِ کار دائماً متاثر ہو جاتی ہے ۔

۴ ۔ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے دو دو اعضاء میں سے ایک کا عطیہ دے دینے سے مستقبل میں دوسرے عضو کی ضرورت پڑ سکتی ہے ۔

۵ ۔ موجودہ مادی دور میں انسانی اعضاء کی خرید و فروخت کا مذموم کاروبار شروع ہو جائے گا ، جس سے اشرف المخلوقات کا جسم بھی بھیڑ بکریوں کی طرح بکاؤ مال بن کر رہ جائے گا ، جیسا کہ انسانی خون کا کھلے بندوں کاروبار ہو رہا ہے ، اسی طرح پاکستان میں متمول حضرات کی طرف سے یہ اشتہارات آ رہے ہیں کہ جو شخص اپنا گردہ دے گا ، اس کو ایک لاکھ روپیہ معاوضہ دیا جائے گا لہٰذا سدِّ ذریعہ کے طور پر بھی زندہ انسان کے جسم اور اعضاء کو کاروباری لین دین کا موضوع بننے سے روکنا ضروری ہے ۔

جہاں تک (ب) میں مذکور صورت کا تعلق ہے، تو کسی میت کی وصیت کے مطابق اس کی موت واقع ہو جانے کے بعد اس کا عضو قطع کیا جا سکتا ہے۔

اس وصیت کی حیثیت اصلاحی وصیت کی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد موصی (وصیت کرنے والے) شخص کی یہ خواہش ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کے اعضا اس کے کام تو نہیں آئیں گے اور ان سے کسی دوسرے مضطر شخص کو فائدہ ہونے کی توقع ہے۔ اگر اس کی اس خواہش کی تکمیل سے دوسرے شخص کو فائدہ حاصل ہو سکے تو اس کی یہ خواہش اس کے مرنے کے بعد پوری کی جا سکتی ہے۔ اس وصیت کی تعمیل مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ ہوگی۔

١ - یہ کہ وہ عضو موصی کی طرف سے خالصتاً للہ ہدیہ ہونا چاہیے۔

٢ - ورثائے میت اس کے جسم سے عضو قطع کرنے کی اجازت متفقہ طور پر دیں۔ اگر کوئی ایک وارث بھی اس پر رضامند نہ ہو تو وہ عضو قطع نہیں کیا جائے گا البتہ کسی لاوارث شخص کی وصیت پر اس کی موت کے بعد اس کی نعش سے کوئی عضو علیحدہ کرنے کے لیے ایسی رضامندی کی ضرورت نہ ہوگی۔

٣ - موصی کی وصیت کے مطابق اس عضو کو دو ثقہ اور متقی ڈاکٹروں کی اس تصدیق پر قطع کیا جائے گا کہ اس شخص کی موت واقع ہو چکی ہے۔

٤ - ایک ثقہ، متقی، مسلمان ڈاکٹر اس نیت سے وہ عضو الگ کرے گا کہ اس سے کسی ضرورت مند مضطر شخص کو فائدہ پہنچایا جائے گا۔

مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر یہ عطیہ صرف مرنے کے بعد کے لیے ہوگا اور پیوند کاری بھی مذکورہ صورت میں معطی کے مرنے کے [illegible] ہوگی۔

مرنے کے بعد کسی دوسرے کو فائدہ پہنچانے کے نیک ارادے اور نیک خواہش کی بنا پر کسی عضو کو کاٹ کر جدا کرنا مثلہ نہیں ہے۔ کیونکہ وہ احادیث جو مثلہ اور میت کی ہڈی توڑنے کی ممانعت کے بارہ میں آئی ہیں، ان میں ممانعت کی علت بے حرمتی، تحقیر اور ہتک احترام آدمیت ہے اور یہاں پیوند کاری کے سلسلے میں کیے جانے والے عمل جراحی سے میت کی بے حرمتی اور ہتک مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس سے ایک دوسرے انسان کو فائدہ پہنچانا مقصود ہوتا ہے جبکہ

معطی کو کوئی ضرر لاحق نہیں ہوتا، اس لیے یہاں علّتِ جواز مصلحتِ انسانی، مفادِ عامہ، دفعِ ضرر اور ازالۂ تکلیف و مشقت ہے۔

مفتی محمد رفیق چشتی صاحب کا فتویٰ

دار الافتاء دار العلوم جامدیہ رضویہ کراچی کے مفتی محمد رفیق چشتی صاحب نے ۲۷ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو اس مسئلہ کے بارہ میں فتویٰ دیا جو "العلم" کراچی بابت ماہ اپریل۔ جون ۱۹۸۱ء میں شائع ہوا ہے، آپ کے اس مفصل فتویٰ کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:

۱۔ مردہ کی آنکھ کا قرنیہ اخذ کرنا اور زندہ نابینا کو لگانا تاکہ بینائی عود کر آئے، جائز ہے کیونکہ یہ مسئلہ حرام کے ساتھ دوا کرنے کی جزئیات میں سے ہے۔

۲۔ اگر کسی زمانے میں حلال سے علاج ممکن ہو جائے تو یہ ناجائز ہوگا۔

۳۔ شرعاً ایسی کئی صورتیں ہیں، جن میں احترام ساقط ہو جاتا ہے مثلاً حاملہ عورت مر جائے تو اس کے پیٹ کو چاک کر کے زندہ بچہ کو نکالا جا سکتا ہے گویا زندہ کی خاطر مردہ کا احترام ساقط ہو جاتا ہے۔

۴۔ آنکھ کے قرنیہ کے حصول کے لیے اجازت ضروری ہے۔

علاوہ ازیں مفتی محمد اعظم سعیدی، ممتاز مفسر قرآن مولانا عبد الماجد دریا آبادی اور مولانا ظفر احمد انصاری کے علاوہ برصغیر پاک و ہند کے بہت سے علماء کرام مذکورہ شرائط کے ساتھ انسانی اعضاء کی پیوندکاری کو جائز قرار دیتے ہیں۔

عالمِ اسلام کے علماء کی آراء

اب ہم برصغیر پاک و ہند کے علاوہ دیگر عالمِ اسلام کے جیّد اور فاضل علماء کرام، مفتیانِ عظام اور فقہاء حضرات کی اس مسئلہ سے متعلق آراء پیش کرتے ہیں۔

۱۔ مفتی فضیلۃ الشیخ حسن مامون کا فتویٰ

دار الافتاء مصر کے مفتی فضیلۃ الشیخ مامون نے اس مسئلہ سے متعلق جو فتویٰ دیا، اس

کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے :

۱۔ میّت سے چشم حاصل کر کے زندہ نابینا شخص کو پیوندکاری کے ذریعہ بصارت عطا کرنا میّت کی محافظت کی نسبت بہت زیادہ سودمند ہے، اس لیے یہ شرعاً جائز ہے اور اس سے میّت کی توقیر و تکریم مجروح نہیں ہوتی اور نہ ہی اس سے میّت کی حرمت کو نقصان پہنچتا ہے کیونکہ ممانعت اس صورت میں ہے جب کوئی مصلحت یا اشد ضرورت نہ ہو۔

۲۔ ایسے مردہ اجسام جن کے ورثا نہ ہوں، وفات کے بعد ان کی آنکھیں ایسے زندوں کو بصارت عطا کرنے کے لیے جو اس نعمت سے محروم ہیں، نکال لینا اور انہیں آئی بینک میں محفوظ کرنا شرعاً جائز ہے، یہ میّت کی حرمت کے منافی نہیں کیونکہ ایسا سخت ضرورت کی وجہ سے کیا جاتا ہے۔

جن لوگوں کے وارث موجود ہوں، ان کی آنکھیں نکالنے کا عمل ان کے اختیار میں ہے، ان کی اجازت سے ایسا کیا جا سکتا ہے اور اگر وہ اجازت نہ دیں، تو پھر یہ ناجائز ہوگا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے :

"الفتاوی الاسلامیۃ من دار الافتاء المصریۃ" ج ۷، ص ۲۵۵۲-۲۵۵۴

۲۔ حکومتِ اُردن کی مجلس افتاء کا متفقہ فیصلہ

پوسٹ مارٹم، اعضاء کی پیوندکاری اور انتقالِ خون سے متعلق ایک استفتاء کے جواب میں حکومتِ اردن کی مجلس افتاء نے جو متفقہ فیصلہ دیا، وہ اردن کے ماہنامہ "ھدی الاسلام" ج ۲۱ ش ۴۔ ۵ میں طبع ہوا ہے۔ اس فتویٰ میں بڑی تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کے ہر پہلو کا شرعی دلائل کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے اور احادیث، اصولِ فقہ اور فقہاء کے اقوال کی روشنی میں یہ نتیجہ اخذ کیا گیا ہے کہ پوسٹ مارٹم، اعضاء کی پیوندکاری اور خون کا انتقال بوقتِ ضرورت جائز ہے کیونکہ اصولِ شریعت یہ ہیں :

۱۔ الضرورات تبیح المحظورات

ضرورت ممنوع چیز کو جائز کر دیتی ہے۔

۲۔ الضرورات تقدر بقدرها۔

ضرورت کو بس بقدرِ ضرورت تسلیم کیا جائے گا۔

۳۔ للضرورۃ احکام۔

ضرورت کے لیے مخصوص احکام ہیں۔

۴۔ اذا ضاق الامر اتسع۔

جب کوئی معاملہ تنگی کا موجب بنتا ہے، تو اس میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے۔

۵۔ المشقۃ توجب التیسیر۔

مشقت سہولت پیدا کرنے کو لازم ٹھہراتی ہے۔

۶۔ لاینکر ارتکاب اخف الضررین

کم تر بُرائی کو گوارا کر لینا قابل اعتراض نہیں۔

البتہ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل شرائط کی موجودگی ضروری ہے۔

۱:۔ عطیہ دینے والے کی منظوری یا اس کی موت کے بعد اس کے وارث کی منظوری۔

۲:۔ مضطر کی اشد ضرورت یعنی اس کی زندگی کی سلامتی یا اس کے کسی عضو کی سلامتی اس پر موقوف ہو۔

۳:۔ ایسا عضو یا اس قدر خون منتقل نہیں ہو سکتا، جس سے عطیہ دینے والے کی زندگی خطرے میں پڑ جائے اور یہ عضو بنیادی اہمیت کا حامل ہو۔

۴:۔ عضو کی منتقلی سے عطیہ دینے والے کے جسم میں غیر معمولی بدنمائی پیدا نہ ہو۔

۵:۔ یہ عطیہ رضا کارانہ ہو اور کوئی مادی فائدہ پیشِ نظر نہ ہو۔

۶:۔ خوفِ خدا رکھنے والے ڈاکٹر کی سفارش اور نگرانی ضروری ہے۔

اس فتویٰ پر اردن کے سات حضرات مفتیانِ کرام کے دستخط ثبت ہیں۔

۳۔ مصر کے مفتی اعظم کا فتویٰ

آج سے قریبًا چالیس برس قبل ۱۹۵۱ء میں مصر میں "دارالابصار" کے نام سے ایک ادارہ معرض وجود میں آیا جس کا مقصد مردہ انسانوں کی آنکھیں اخذ کر کے نابینا حضرات کو لگانا تھا، اس سلسلہ

میں ۱۹۵۲ء میں مفتیٔ اعظم سے فتویٰ پوچھا گیا کہ کیا حکومت کوئی ایسا قانون بنا سکتی ہے، جس کے مطابق ہر مرنے والے کی آنکھ اخذ کر کے "دار الابصار" میں محفوظ کر لی جائے اور پھر بوقتِ ضرورت نابینا شخص کو لگا دی جائے اس کے جواب میں مفتیٔ اعظم نے جو فتویٰ دیا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حکومت ایسا قانونِ عام تو نہیں بنا سکتی کیونکہ اس سے مرنے والوں کے وارثوں کی طرف سے فتنہ و فساد اُٹھنے کا اندیشہ ہے، البتہ جو مردے لاوارث ہوں یا جنہیں سزائے موت مل چکی ہو، ان کی آنکھیں "دار الابصار" کے لیے اخذ کی جا سکتی ہیں، گویا مفتیٔ اعظم آنکھوں کی پیوندکاری کے جواز کے قائل ہیں۔ مفتیٔ اعظم مصر کے فتویٰ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیے "سہ ماہی مجلۃ البحوث الاسلامیۃ"۔ الریاض، بابت ماہ محرم، صفر، ربیع الاول ۱۳۹۶ھ ج ۱ ش ۴، ص ۳۸ - ۴۰۔

۴۔ رابطہ عالم اسلامی کی اسلامی فقہی کونسل کا فیصلہ

رابطہ عالم اسلامی کے امریکہ کے دفتر نے رابطہ کی اسلامی فقہی کونسل سے جو "مجلس المجمع الفقہی الاسلامی" کے نام سے موسوم ہے، انسانی اعضا کی پیوندکاری کی شرعی حیثیت کے بارہ میں استفسار کیا تو اسلامی فقہی کونسل نے اپنے آٹھویں اجلاس میں جو رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ میں ۱۹ سے ۲۸ جنوری ۱۹۸۵ء تک جاری رہا۔ اس مسئلے پر غور کیا اور کونسل کے فاضل اراکین نے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینے اور غور و فکر کرنے کے بعد درج ذیل رائے کا اظہار فرمایا:

اولاً: زندہ انسان کے کسی عضو کی دوسرے مضطر انسان کے ساتھ پیوندکاری جبکہ اس مضطر انسان کی زندگی بچانا یا اس کے اساسی اعضاء میں سے کسی معطل عضو کی کارکردگی بحال کرنا مقصود ہو تو یہ جائز ہے اور یہ تکریم آدمیت کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس میں اس انسان کے لیے بہت بڑی مصلحت اور بے پناہ اعانت ہے، جس کو کوئی عضو عطیہ دیا جا رہا ہو، یہ شرعی طور پر جائز اور قابلِ ستائش عمل ہے جبکہ اس میں حسبِ ذیل شرائط موجود ہوں:

۱۔ عطیہ دینے سے، عطیہ دینے والے کی زندگی کو نقصان پہنچنے کا کوئی خدشہ نہ ہو کیونکہ شرعی قاعدہ یہ ہے کہ ضرر کا اسی طرح یا اس سے بھی زیادہ ضرر کے

ساتھ ازالہ جائز ہے۔ اور پھر اس صورت میں خدشہ ہوگا اور ازخود موت کو دعوت دینا شرعی طور پر جائز نہیں ۔

۲ ۔عطیہ دینے والا کسی جبر و اکراہ کے بغیر، رضا و رغبت سے عطیہ دے رہا ہو۔

۳ ۔عضو کی پیوندکاری ہی مجبور و مضطر مریض کے علاج کے لیے واحد ممکن طبی ذریعہ و وسیلہ ہو۔

۴ ۔عضو کے اخذ کرنے اور پیوند کرنے کا عمل مکمل طور پر یا اکثر و بیشتر کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہو۔

ثانیاً : جب مذکورہ شرائط کے ساتھ یہ عمل جائز ہے، تو درج ذیل صورتوں میں بالاولیٰ جائز ہوگا۔

۱ ۔مردہ انسان کے کسی عضو کی کسی زندہ مضطر انسان کی زندگی بچانے کے لیے پیوندکاری بشرطیکہ جس انسان کا عضو لیا جاتا رہا ہو، وہ مکلف ہو، اور اس نے اپنی زندگی میں اس کی اجازت دے دی ہو۔

۲ ۔کسی ماکول اللحم جانور کے عضو کی پیوندکاری یا بوقت ضرورت مجبور و مضطر انسان کے لیے غیر ماکول اللحم جانور کے عضو کی پیوندکاری۔

۳ ۔بوقت ضرورت انسان کے اپنے ہی کسی عضو کی اپنے جسم میں پیوندکاری۔

۴ ۔کسی بیماری کے علاج کے لیے انسان کے جسم میں کسی معدنی ٹکڑے یا کسی دوسرے مواد کو رکھنا۔

ان چاروں صورتوں کو مذکورہ شرائط کے ساتھ اسلامی فقہی کونسل نے شرعی طور پر جائز قرار دیا ہے۔ یاد رہے اسلامی فقہی کونسل کے اس اجلاس میں کونسل کے چیئرمین، عالم اسلام کی ایک نہایت ممتاز علمی شخصیت جناب شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز حفظہ اللہ تعالیٰ مفتی اعظم سعودی عرب اور وائس چیئرمین ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف کے علاوہ ڈاکٹری و سرجری کے ماہر چھ ڈاکٹروں اور کونسل کے بارہ ارکان علماء کرام نے شرکت فرمائی تھی اور ان میں سے صرف ایک رکن نے میت کے اعضاء کی پیوندکاری کو ناجائز اور باقی سب نے جائز قرار دیا تھا تفصیل

کے لیے ملاحظہ فرمائیے "قرارات مجلس المفقھی الاسلامی لرابطۃ العالم الاسلامی"، ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹ جنوری ۱۹۸۵ء ۔

۵۔ ھیئۃ کبار العلماء، سعودی عرب کی تحقیقی رپورٹ

اسی طرح سعودی عرب کے علماء کرام کی ایک اور اہم تنظیم مجلس ھیئۃ کبار العلماء نے بھی اپنے نویں اجلاس میں جو شعبان ۱۳۹۶ھ میں طائف میں منعقد ہوا، پوسٹ مارٹم کی شرعی حیثیت پر غور کرتے ہوئے اعضاء کی پیوندکاری کی شرعی حیثیت کا بھی جائزہ لیا اور ان جدید مسائل پر خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ اس میں سب سے پہلے۔

۱۔ کتاب و سنت کی روشنی میں مسلمان کی عزت، عصمت اور حرمت کو بیان کیا گیا ہے۔

۲۔ ائمہ سلف کے ارشادات کی روشنی میں ان مستثنیٰ حالات کا ذکر کیا ہے، جن میں ضرورت کے پیشِ نظر خونِ مسلم بھی مباح ہو جاتا ہے، زندگی و موت میں پیٹ چاک کرنا جائز اور زندگی و موت ہر دو صورتوں میں کسی عضو کو قطع کرنا جائز ہوتا ہے، چنانچہ اس سلسلہ میں پانچ مسائل، بطورِ مثال، ائمہ و فقہاء کرام کے اقوال و دلائل کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔

۳۔ علامہ سید محمد رشید رضا، فضیلۃ الشیخ حسنین محمد مخلوف، فضیلۃ الشیخ یوسف دجوی، فضیلۃ الشیخ ناصر سعدی اور مفتیِ اعظم مصر کے فتاویٰ نقل کر کے بوقتِ ضرورت اعضاء کی پیوندکاری کو جائز ثابت کیا گیا ہے۔

سعودی عرب کی مجلس "مجلس ھیئۃ کبار العلماء" کی یہ تحقیقی کاوش اس قابل ہے کہ ہمارے تمام اہلِ علم اس کا مطالعہ فرمائیں، ان شاء اللہ اس کے مطالعہ سے بصیرت حاصل ہوگی۔ چالیس صفحات پر مشتمل یہ تحقیقی رپورٹ "رئاسۃ ادارات البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد"، الریاض کے سہ ماہی "مجلۃ البحوث العلمیۃ" ج ۱ س ۴ بابت ماہ محرم، صفر، ربیع الاول ۱۳۹۸ھ میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوئی۔

۶ ۔ انٹرنیشنل اسلامک کانفرنس کا فیصلہ

انٹرنیشنل اسلامک کانفرنس نے جس میں دنیا بھر سے زائد از یک صد نمائندگان شریک تھے ، اتفاق رائے سے یہ فیصلہ دیا کہ انسانی اعضاء مثلاً قرنیہ ، قلب ، گردہ اور دوسرے اعضاء کی پیوندکاری جائز ہے ۔ ملاحظہ فرمائیے روزنامہ "ڈان" کراچی ۲۳ اپریل ۱۹۶۹ء

خلاصۂ کلام یہ کہ اعضاء کی پیوندکاری کے مسئلہ سے متعلق کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں صریح نصوص موجود نہیں ہیں ، ائمہ سلف سے بھی اس بارہ میں کوئی حکم منقول نہیں ہے ، کیونکہ یہ مسئلہ پہلے دور میں موجود نہ تھا البتہ ہمارے دین حنیف کے قواعد وضوابط اور اصول ومقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے یعنی روح شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ جو اصول وضع کیے گئے ہیں کہ جب دو مصلحتوں میں تعارض ہو تو قوی مصلحت کو ترجیح دی جائے گی اور جب دو مفسدوں میں تعارض ہو تو سب سے خفیف مفسدہ کا ارتکاب کیا جائے گا نیز ضرورت کے باعث ممنوع چیز مباح ہو جاتی ہے ، ان اصولوں کی روشنی میں انتہائی ناگزیر اور اضطراری حالت میں مذکورہ شرائط کے ساتھ ہم اعضاء کی پیوندکاری کو جائز سمجھتے ہیں ہاں البتہ اگر نباتات ، جمادات ، حیوانات یا دیگر جدید مصنوعی ایجادات سے علاج ممکن ہو تو پھر بہر آئینہ اسے ہی ترجیح دینا چاہیے ۔

انتقالِ خون

اب ہم انتقالِ خون کی شرعی حیثیت کے بارے میں چند باتیں اختصار کے ساتھ عرض کریں گے ۔ جب کسی مریض یا زخمی کی صحت یا اس کی زندگی یا اس کی زندگی خون پر موقوف ہو یا اس کے اعضاء میں سے کسی عضو کی سلامتی صرف اسی بات پر موقوف ہو کہ اسے خون دیا جائے تو کسی دوسرے انسان کا خون اس کی طرف منتقل کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں بھی مریض کی زندگی بچانے یا اس کے کسی عضو کی سلامتی کے لیے اصولِ ضرورت کے تحت ایسا کرنا جائز قرار پاتا ہے ۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۔ (البقرة : ۱۷۳)

(اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے حرام کر دیا ہے، ہاں جو نا چار ہو جائے (بشرطیکہ) اللہ کی نا فرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اس پر کچھ گناہ نہیں، بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے)۔

اس آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ مجبور، مضطر، نا چار اور بے قرار کے لیے دیگر حرام اشیاء کی طرح حالتِ اضطرار میں خون کا استعمال بھی جائز ہے۔ اعضاء کی پیوندکاری میں تو قطع و برید کی ضرورت پیش آتی ہے مگر انتقالِ خون میں یہ قباحت بھی نہیں ہے بلکہ خون انجکشن کے ذریعہ اخذ کر کے انجکشن ہی سے منتقل کر دیا جاتا ہے یعنی اس کی مثال دودھ کی سی ہے جو بغیر قطع و برید کے حاصل ہوتا اور دوسرے انسان کے جسم کا جزء بنتا ہے لہٰذا جب کسی کو خون کی اشد ضرورت ہو اور اسپیشلسٹ ڈاکٹر کی نظر میں انتقالِ خون کے بغیر اس کی جان بچانے کی اور کوئی تدبیر نہ ہو تو پھر خون دینا جائز ہے جب اسپیشلسٹ کی نظر میں زندگی کو خطرہ تو نہ ہو اور شفاء خون ہی پر موقوف نہ ہو بلکہ خون دینے کی صورت میں شفا جلد ممکن ہو تو پھر بھی جائز ہے۔ مفتیٔ مصر فضیلۃ الشیخ حسن مامون نے انتقالِ خون سے متعلق ایک استفتا کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے:

إما اذا لم يتوقف اصل الشفاء على ذٰلك ولكن يتوقف عليه تعجيل الشفاء فان ذٰلك جائز ايضًا عند بعض الحنفية و نرى الاخذ به "۔ الفتاوىٰ الاسلامية من دار الإفتاء المصرية، ص ۲۴۹۵ -

"جب اصل شفاء تو خون پر موقوف نہ ہو البتہ جلد شفا یابی اس پر موقوف ہو تو پھر بھی بعض علماءِ احناف کے نزدیک انتقالِ خون جائز ہے اور ہماری بھی یہی رائے ہے"

پاکستان کے جیّد علماءِ احناف میں سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کی بھی یہی رائے ہے۔ ملاحظہ فرمائیے انسانی اعضاء کی پیوندکاری ص ۲۶ -

ہاں البتہ جب خون سے محض زینت مقصود ہو یا قوت بڑھانا پیش نظر ہو تو پھر ہرگز ہرگز جائز نہیں، اسی طرح خون کی بیع بھی جائز نہیں مگر مضطر مریض کے لیے بوقتِ ضرورت خریدنا جائز ہے۔ یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ میاں بیوی کے ایک سے دوسرے میں خون کے انتقال سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اسلام نے محرمیت کو نسب، مصاہرت اور رضاعت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

میں ایک بار پھر اس امر کی یاددہانی کرانا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ پوسٹ مارٹم، اعضا کی پیوندکاری اور انتقالِ خون جیسے ان جدید مسائل میں بے حد احتیاط کی ضرورت ہے سہل نگاری کے ساتھ ان کے دائرہ کو وسیع تر کرتے چلے جانا قطعاً غلط ہے الہٰذا اسے صرف ضرورت یا صحیح الفاظ میں اضطرار کی حد تک محدود رکھنا چاہیے کیونکہ جواز کی علت ضرورت ہے لہٰذا جواز و عدم جواز، ضرورت و عدمِ ضرورت پر موقوف ہے۔ جو اطبا، یا ڈاکٹر حضرات یہ امور سرانجام دے رہے ہوں، انہیں بھی ہر وقت خوفِ خدا پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

اب آخر میں قارئین کرام کی توجہ ایک اور نہایت اہم امر کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ اس دور میں جوں جوں سائنس اور ٹیکنالوجی ترقی کرتی جا رہی ہے اور آسائش و آرام کی جدید سے جدید تر سہولتیں میسّر آتی جا رہی ہیں، اسی قدر ہمارے آرام و مصائب میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، تمام تر سہولتوں اور آسائشوں کے باوجود آج دلوں کی دنیا بنجر اور بے آباد ہے، آج کا انسان اندر سے کھوکھلا ہو گیا ہے، آج روحیں مضطرب اور بے چین ہیں، دنیا درد اور کرب سے چیخ چیخ اٹھی ہے ؎

دل گیتی انا المسموم انا المسموم فریادش

خرد نالاں کہ ما عندی بتریاق ولا راق

آپ نے کبھی غور فرمایا کہ اس کا سبب کیا ہے، میری دانست میں اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی رحمت کے بجائے ہماری نظر صرف مادی اسباب و وسائل سے الجھ کر رہ گئی ہے۔ پیوندکاری کے ذریعہ آنکھوں کی بینائی حاصل کرنے والے کو شاید اطمینان و سکونِ قلب اور انبساط و انشراحِ صدر کی وہ دولت نصیب نہ ہو جو اللہ کی طرف سے اس ابتلاءٔ

آزمائش پر صبر کرنے والے کو نصیب ہوتی ہے۔ ایک قدسی حدیث میں ہے، جس کے راوی حضرت انسؓ ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

اِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدِيْ بِحَبِيْبَتَيْهِ فَصَبَرَ عَوَّضْتُهُ مِنْهُمَا الْجَنَّةَ۔

"میں جب اپنے بندے کو اس کی دو محبوب چیزوں کے باعث ابتلاء و آزمائش میں ڈالوں (یعنی اس کی دونوں آنکھوں کو بینائی سے محروم کر دوں) اور وہ صبر کرے تو میں اسے اس کے بدلے میں جنت دوں گا۔ (صحیح بخاری)

اور پھر ہمیں ان مادی اسباب و ذرائع کے بجائے کبھی روحانی اسباب و وسائل بھی اختیار کرنا چاہیں، روحانی اسباب اور روحانی طریق علاج میں سے دعا ر ——— سرفہرست ہے۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ مادف کر دوں، بینائی سے محروم آنکھوں اور دیگر معطل و ناکارہ اعضاء کا علاج دعا سے کیسے ممکن ہے، میں اس وقت تفصیل کے بجائے اختصار سے کام لیتے ہوئے آپ کی توجہ اس واقعہ کی طرف مبذول کراؤں گا جسے غنجار کی تاریخ بخارا" اور لالکائی کی "شرح السنہ" کے حوالہ سے حافظ ابن حجرؒ نے "ہدی الساری مقدمہ فتح الباری" ص ۲۵۔ میں ذکر فرمایا ہے کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ ابھی کم سن ہی تھے کہ بینائی سے محروم ہو گئے، آپ کی والدہ ماجدہ نے بڑی کثرت کے ساتھ رو رو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے بچے کی آنکھوں کی بینائی کی بحالی کے لیے دعائیں کیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت سے نوازا، چنانچہ انہیں خواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زیارت ہوئی اور انہوں نے آپ کو یہ بشارت اور نوید مسرت سنائی۔

"يَاهٰذِهٖ قَدْ رَدَّ اللّٰهُ عَلٰى اِبْنِكِ بَصَرَهٗ بِكَثْرَةِ دُعَائِكِ"

"خاتون! تمہاری بکثرت دعاؤں کے باعث اللہ تعالیٰ نے تمہارے بچے کی بینائی کو بحال کر دیا ہے۔"

چنانچہ جب صبح ہوئی تو امام بخاریؒ کی آنکھیں واقعی بینائی کے نور سے منور تھیں۔

وَاٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

———

مصادر و ماخذ

۱۔ قرآن مجید۔
۲۔ صحیح البخاری۔
۳۔ صحیح مسلم۔
۴۔ سنن ابی داؤد۔
۵۔ ہدی الساری مقدمہ فتح الباری، حافظ ابن حجر عسقلانی۔
۶۔ المحلّٰی، امام ابن حزمؒ۔
۷۔ ہدایہ، علامہ مرغینانیؒ۔
۸۔ المستصفیٰ، امام غزالیؒ۔
۹۔ فتاویٰ عالمگیری۔
۱۰۔ الفتاویٰ الاسلامیۃ من دارالافتاء المصریۃ۔
۱۱۔ انسانی اعضاء کی پیوندکاری، مفتی محمد شفیع مرحوم۔
۱۲۔ ماہنامہ "الفیصل"، الریاض، اکتوبر ۱۹۸۶ء۔
۱۳۔ مجلۃ البحوث العلمیۃ، الریاض۔
۱۴۔ قرارات مجلس المجمع الفقہی الاسلامی۔
۱۵۔ ماہنامہ "ہدی الاسلام"، اردن، ج ۲۱ ش ۴۔۵۔
۱۶۔ سہ ماہی "العلم"، کراچی، اپریل۔جون ۱۹۸۱ء۔
۱۷۔ روزنامہ "ڈان"، کراچی۔ ۲۳ اپریل ۱۹۶۹ء۔